جناب شیرزادہ
پرنسپل گورنمنٹ ہائیر سکنڈری سکول مدین

ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

دارالعلوم حقانیہ کی بزم آرائیوں کو نہ جانے کس کی نظر بدلگ گئی کہ اس کی درد بھری محفلیں ایک عرصے سے متاثر ہورہی ہیں، چنانچہ ماضی قریب میں تھوڑے ہی عرصے کے اندر بہت بڑی ہستیاں اس گلستان کو اجھڑتے چھوڑکر چلی گئیں ۔ یہ الگ بات ہے کہ شمع محفل بن کر شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ اب بھی لاغر وناتواں وجود کے ساتھ پروانوں کے اجتماع کا مرکز بن کر اجھڑتی رونقوں کی بحالی کے لئے آنکھوں میں آنسوں لئے سوئے منزل رواں دواں ہیں ۔

لٹ کے بھی خوش ہوں کہ اشکوں سے بھرا ہے دامن
دیکھ غارت گر دل یہ بھی خزانے میرے

یادایام رفتہ

کاش پھر وہ انجمنیں دیکھنے کو ملے، جن میں ملک بھر سے شمع علم وفضل کے پروانے جمع ہوتے اور جشن کا سماں ہوتا، کبھی جہادی کانفرنسیں کبھی ادبی مجالس کبھی خطبات مشاہیر کی تقریب رونمائی اور کبھی مکاتیب کیلئے محفلیں جمتی ۔مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کو اللہ تعالیٰ نے ہمالیہ جیسا حوصلہ عطا فرمایا ہے، وہ یقیناً میر کارواں بن کر ان مجالس وتقریبات کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔مگر ایسی محفلیں اب کہاں ترتیب دی جاسکتی ہیں ۔جن میں کراچی سے شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی عاجزی وانکساری کا مجسمہ بن کر رونق افروز ہوں، بنوں سے قرطاس وقلم کے عاشق زار ،متقی وملنسار مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب شریک فرما ہوں تو خود گلستان حقانیہ سے شیخ الحدیث سمیع الحق مدظلہ کے علاوہ مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب شریک محفل ہوں ، ہاں ایسی محفلیں جمیں گی ،بزمہائے علم وعرفان ضرور آراستہ وپیراستہ ہوں گے مگر شیخ الحدیث ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب کی مسند خالی ہی رہے گی ۔

شیخ الحدیث سمیت بڑے بڑے علماء اٹھ اٹھ کر چلے جارہے ہیں۔ہم تڑپ تڑپ کر ساقی کو تکتے

آ رہے ہیں مگر لگتا یوں ہے کہ آب بقائے دوام سے اُس کا پیالہ خضر علیہ السلام کے پینے سے خالی ہو چکا ہے۔

بادہ کش تھے پرانے سب اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی

ایک امت کے قائم مقام

مختلف دینی وعلمی رسائل میں ان کی مجالس کی کاروائیاں پڑھ پڑھ کر دل کی پیاس بجھاتے ہیں مگر اب محدث کبیر کی علمی تقریریں اور درد بھری تحریریں کہاں سے میسر آئیں گی جبکہ وہ بہت دور چلے گئے ہیں۔

ع یاروں نے بہت دور بسائی ہیں بستیاں

اب تو فاصلے بڑھ گئے اور شائد شور محشر میں ملاقات ہو، کمی پوری ہوتی ہے کام چلتا رہتا ہے، نعم البدل ملتے ہیں مگر مولانا جیسی ہستی کی کمی لاکھوں لوگ مل کر بھی پوری نہیں کرسکتے وہ بظاہر تو ایک فرد تھے مگر معنوی لحاظ سے ایک امت کا قائم مقام تھے۔ ان کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ پر ہونے کا نہیں پورے ملک پر قحط سایہ کناں ہے۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویران کرگیا

جو کوئے یار سے نکلے

جانے والے سب جاتے ہیں، یہاں جو بھی آیا جانے کے لئے آیا ہے۔ مگر جس شان سے مولانا چلے گئے بہت کم لوگ اس انداز سے رخصت ہوتے ہیں۔ اپنے بزرگوں اور ساتھیوں کو الوداعی تحریر لکھ کر ہدایات دیں اور کچھ اس نرالے انداز سے چلے گئے کہ جس طرح کوئی دنیا کے مختصر سفر پر روانہ ہونے کے لئے رخت سفر باندھ لیتا ہے، ہدایات دیتا ہے اور معاملات نمٹا کر چل نکلتا ہے، وفات سے محض دو روز پہلے وفا کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتے ہوئے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے نام جو مکتوب مبارک لکھا وہ حقانیہ اور شیخ الحدیث کے خاندان سے حق وفا پورا کرنے کی سند ہے۔ جس آستانے سے احترام ملا اسی کو محترم بنا دیا کہ یا تو حقانیہ میں رہے یا دار آخرت کی راہ سدھار لی کوئی بھی تیسرا رستہ اختیار نہیں کیا۔ کسی بھی دوسرے دروازے پر دستک نہیں دی۔

مقام فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

باوجود ان سب کے مولانا اپنی تحریروں اور تقریروں میں اور ہزاروں شاگردوں کی صورت میں ہمارے درمیان موجود رہیں گے اور باوجود اس کے کہ ہم ان کے جسد اطہر کو مٹی میں چھپا کے چھوڑ آئے ہیں مگر ان کا فضل وکمال اور علم وہنر کو ہمیشہ زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔

میں بعد مرگ بھی بزم وفا میں زندہ ہوں
تلاش کر میری محفل، میرا مزارنہ پوچھ

مولانا بقید حیات تھے تو خبریں آتی کہ فلاں جگہ درس دیا۔ فلاں جگہ تقریر کی ۔فلاں جگہ خطبہ دیا مگر اب بات دور تک جا نکلی ۔اب مولانا اتنی رفعتوں اور بلندیوں پر پہنچ گئے کہ ان کا ملنا محال ہے:

ڈھونڈوں گے اگر ملکوں ملکوں
ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

ذیل میں مولانا کی حیات طیبہ کی چند تابناک پہلوں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

سفر حج

حضرت مولانا صاحب نے 1386 ہجری میں پیدل سفر کر کے فریضہ حج ادا فرمایا۔خشکی کے راستے یہ طویل سفر ایران ،عراق ،شام اور اردن کے سبزہ زاروں اور ریگزاروں سے گزر کر طے فرمایا۔دوران سفر خوب چھکے ،خوب گھومے پھرے ،مہینوں پر مشتمل یہ سفر بہت معلوماتی جامع اور تاریخی سفر تھا۔مولانا نے اس سفر کے احوال لکھ کر سفر نامہ کی شکل میں ماہنامہ الحق میں شائع کروایا۔ان سفری احوال کو لوگوں نے بہت ذوق وشوق سے پڑھا۔

یہ سفر نامے اردو ادب میں گراں قدر اضافہ ہے ۔اسفار حج پر بہت سے علماء فضلاء نے طبع آزمائی فرمائی ہے مگر جو سادگی ،سلاست ،روانی ،ادبی چاشنی ،عملی معلومات ،جغرافیائی احوال اور جامعیت ان کے احوال سفر میں ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں یہ سفر نامے مولانا کی انتہائی دلکش وادبی تحریریں ہیں ۔جس سے اس وقت کی زندگی کے ہر پہلوں پر روشنی پڑتی ہے ۔عربیت سے مکمل واقفیت اس سفری تحریر کی جان ہے ۔مولانا عربی دانی کے اسلحہ سے لیس ہو کر اس سفر میں ہر کہیں کام لیتے نظر آ رہے ہیں ۔

ختم نبوت سے والہانہ لگاؤ

ختم نبوت مسلمانوں کا ایک متفق علیہ عقیدہ رہا ہے۔مسلمان جان تو دے سکتا ہے پر اس عقیدے میں ترمیم وتنسیخ کے لئے تیار نہیں۔انگریزوں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے جعلی نبی پیدا کیا تو مسلمان علماء نے روک تھام شروع کیا اور ایک مستقل؛ تحریک ختم نبوت کے نام سے وجود میں آئی۔اس تحریک میں شامل علماء نے تحریر وتقریر کے ذریعے اس عقیدے کو مسلمانوں کے گھر گھر تک پہنچایا۔اور جب اقتدار کے ایوانوں سے ختم نبوت کے متوالوں پر ظلم وستم ڈھائے گئے تو علماء نے جیل بھر دینے کا عمل شروع کیا، مولانا نے بھی قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کو اس سلسلے میں اکوڑہ خٹک لایا گیا اور یوں مولانا اوران کے ساتھی ختم نبوت کا جھنڈا لے کر قادیانیت کے خلاف سرگرم عمل رہے۔

ارض مقدس سے محبت وعقیدت

مولانا رحمہ اللہ نے 16, 15سال گزار کر ماجستیر اوردکتوراہ کی ڈگریاں جامعہ مدینہ منورہ سے حاصل کیں۔یہ لمبا عرصہ دیار محبوب سے جدائی ناگوار ہونے کی وجہ سے گزر گیا وگرنہ آپ جیسی عبقری شخصیت کے لئے اتنا عرصہ گزارنا ضروری نہیں تھا۔اس سفر سے پہلے سفر حج میں جس والہانہ انداز سے سوئے حرم چلے وہ ایک عاشق کا انداز ہوسکتا ہے کہ عرصے تک گھر کی خیر خبر لینے پر بھی آمادہ نہ ہوئے۔حرمین سے دلی شغف ومحبت کیلئے خود انہوں نے اپنے سفرنامے میں یہ شعر نقل فرمایا ہے۔

ان نلت یاریح الصبایوما الی ارض الحرم
بلغ سلامی روضة فیها النبی المحترم

اس سفر میں جابجا مولانا نے حرمین کیلئے جس تشویق، رغبت اور تمنا کا اظہار فرمایا ہے وہ دیدنی ہے اور جوں جوں مولانا ارض حرم کے قریب تر ہوتے جاتے ہیں ان کا دل سینے میں مچلنے لگتا ہے۔اور آپ اردو، فارسی، اور عربی کے اشعار گنگناتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

وعدہ وصل چوں شود نزدیک
آتش شوق تیز ترگردد

و اقرب مایکون الشوق یوما
اذا دنت الخیام الی الخیام

مسجد حرام کے میناروں پر نظر پڑتی ہے تو مولانا پر حال طاری ہو جاتا ہے اور زبان قال ساتھ دینے کو تیار نہیں ''آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں'' کے مصداق مولانا اپنی مجبوری کے لئے اس شعر کا سہارا لیتے ہیں:

اکنون کرا دماغ کہ پرسد ز باغبان
بلبل چہ گفت گل چہ شنید وصبا چہ کرد
نازم بچشم خویش کہ جمال تو دیدہ است
رفتم بہ پائے خویش کہ بکویت رسدہ است

حنفیت کی ترجمانی

مولانا جب جامعہ مدینہ جانے لگے تو حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے گئے اور انہوں نے بخوشی جانے دیا گو کہ مولانا طلبہ کے وہاں جانے میں تأمل کا اظہار فرماتے کہ کہیں غیر مقلد نہ بن جائیں۔ تاہم مولانا کے بارے میں مطمئن تھے اور مولانا بھی توقعات پر پورا اترے تقریباً ۱۶ سال غیر مقلدیت کے ماحول میں رہ کر حنفیت کی ترجمانی فرماتے رہے اور قابلیت ولیاقت کی وجہ سے حنفی ہو کر بھی سب کے لئے قابل احترام ٹھہرے۔

شاگردوں اور متعلقین سے تعلق

اپنے شاگردوں اور متعلقین سے جو تعلق رکھا وہ استاد وشاگرد کا نہیں بلکہ دو (۲) ہم پلہ وہم رتبہ ساتھیوں کا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ ان کے شاگردوں کے پاس ان کی بہت ساری تحریریں محفوظ ہیں۔ جنہیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے۔ کہ آپ کس طرح ان کو القاب وآداب اور عزت واحترام سے یاد فرماتے، ہر خط کا جواب پوری دلجمعی سے تحریر فرماتے اور شاگردوں کی معمولی سی دعوت پر لبیک کہہ کر ان کے احترام میں اضافے کا باعث بنتے۔ اور ہر ایک شاگرد سمجھتا کہ شاید وہ ہی مولانا کو سب سے زیادہ عزیز ہے۔ اپنے شاگرد خاص حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ کا بڑے پرتپاک انداز سے تذکرہ فرماتے، دعائیں دیتے اور داد شجاعت سے نوازتے۔ اکثر جلسوں اور مبارک محافل میں ان کا نام لے لے کر فخر فرماتے اور اس شعر کے مصداق ان کا تذکرہ کر کے ھل من مبارز کہتے:

اولیک ابنائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یاجریر المجامع (بتعیر قلیل)

وفات سے دو دن پہلے اپنے شاگردوں کے حوالے سے وصیت فرمائی کہ ان کا وقت ضائع ہو رہا ہے ان کے اسباق کسی کے ذمے لگائے جائیں۔

تاریخی جنازہ

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے ''الفرق بن اھل السنة واھل البدعة یظھر فی الجنائز''یعنی اہل سنت اور اہل بدعت میں فرق کا اظہار ان کے جنازوں سے ہوتا ہے۔ کے بمصداق مولانا کا جنازہ نوشہرہ نہیں پورے صوبہ خیبر پختون خواہ بلکہ پاکستان کی سطح پر ایک تاریخی جنازہ تھا اور مولانا نے جاتے ہوئے ثابت کر دیا کہ کتنے دلوں پر ان کی حکمرانی تھی۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا جنازہ میں بھی لاکھوں فرزندان توحید نے شرکت کی۔ بالکل حج کا سا مجمع لگ رہا تھا اور حقیقتاً حج کے بعد شاید یہ بڑا اجتماع تھا۔ دور دور تک سڑکیں بلاک تھیں اور ہر طرف ہجوم عاشقان تھا جو بحر بیکراں بن کر موجزن تھا۔ ہر شخص افسردہ اور ہر چہرہ پژمردہ لگ رہا تھا ''موت العالم موت العالم'' کا واضح نظارہ تھا یہ ایک شخص کی موت نہیں تھی پورے صوبے پر ابر ماتم چھائے ہوئے تھے۔

ع مرثیہ ایک کا اور نوحہ ساری قوم کا

سوشل میڈیا پر مولانا کے متعلقین لمحہ لمحہ کی خبر پھیلا رہے تھے۔ حضرت مولانا راشد الحق سمیع صاحب ایڈیٹر ''ماہنامہ الحق'' نے اپنے مخصوص ادبی انداز میں مولانا کی حیات پر نثری مرثیے پیش کئے۔ انہوں نے مولانا کی آخری تحریر کو نشر کیا اور ارباب علم کو مولانا کی زندگی پر لکھنے کی ترغیب دی۔

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کا مثالی کردار

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی شخصیت اور وجود مسعود سدا بہار درخت کی سی ہے۔ جس کے سائے تلے، تھکے ہارے، درماندہ، و پسماندہ لوگ پناہ لیکر سکون و آرام پاتے ہیں۔ کتنے حادثے آئے۔ کتنے طوفان اٹھے، ظلم وستم کی کتنی بجلیاں کوندیں، کتنی آندھیاں چلیں، کالی آندھیاں جن کی وجہ سے لوگوں نے راستے بدل دیئے، ہواؤں کا رخ اختیار کیا مگر یہ مرد خود آگاہ و درویش حق آراء حق کے سارے سابقوں اور لاحقوں کیساتھ پہاڑ بن کر ثابت قدم رہا۔

چنانچہ اسی حادثہ فاجعہ میں بھی مولانا نے وہی کردار ادا کیا۔ مولانا کی جدائی کا صدمہ اٹھا کر دوسروں کے لئے تسلی و دلاسے کا باعث بنے، تعزیتی کانفرس منعقد کرا کے اپنے ساتھی کو بھرپور خراج عقیدت پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ شیخ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور علم وعرفان کے شہر حقانیہ کو تا ابد شاد و آباد رکھے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں امین باد